سورة الصّف

(آیاتہا ۱۴) (۶۱ سُوْرَۃُ الصَّفِّ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۹) (رکوعاتہا ۲)

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے جس طرح ماوردی نے ذکر کیا ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مکی ہے؛ نحاس نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے۔ اس کی چودہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳

''اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ بڑا ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو''۔

پہلی آیت کی تفسیر سورۂ حدید کی پہلی آیت کے تحت گزر چکی ہے۔

دوسری دو آیات کے ضمن میں پانچ مسائل بیان کئے گئے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ دارمی ابو محمد نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ محمد بن کثیر، اوزاعی سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ ابو سلمہ سے وہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت بیٹھی ہم نے آپس میں بات چیت کی ہم نے کہا: اگر ہم جانتے کہ اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ محبوب ہے تو ہم اس پر ضرور عمل کرتے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ کو نازل فرمایا۔ ابو سلمہ نے کہا: حضرت ابن سلام نے انہیں ہم پر تلاوت کیا۔ یحییٰ نے کہا: ابو سلمہ نے انہیں ہم پر پڑھا، انہیں یحییٰ نے ہم پر پڑھا، اوزاعی نے انہیں ہم پر پڑھا اور محمد نے انہیں ہم پر پڑھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا: اگر ہم ایسا عمل جانتے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب ہے تو ہم اس پر عمل کرتے؟ جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو صحابہ نے اسے ناپسند کیا(2)۔ کلبی نے کہا: مومنوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر ہم ایسے عمل کو جانتے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ محبوب ہے تو ہم اس عمل کو بجالانے میں جلدی کرتے تو یہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 527　　2۔ ایضاً

آیت نازل ہوئی هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ صحابہ کرام طویل زمانہ تک رکے رہے وہ کہتے: کاش! ہم جانتے کہ وہ کیا ہے تو ہم انہیں اموال، اپنی جانوں اور اہل کے بدلے خرید لیتے؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ارشاد کے ساتھ انہیں آگاہ کیا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ۔

غزوہ احد کے موقع پر آزمایا گیا تو وہ بھاگ گئے اس وعدہ خلافی کرنے پر انہیں عار دلانے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

محمد بن کعب نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے شہداء بدر کے ثواب کے بارے میں خبر دی تو صحابہ نے کہا: اے اللہ! گواہ رہنا اگر ہمیں جنگ کا موقع ملا تو ہم اپنی پوری طاقت صرف کر دیں گے، وہ غزوہ احد کے موقع پر بھاگ گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر عار دلائی (1)۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو یہ کہتے تھے: ہم نے جہاد کیا، ہم نے فلاں کو قتل کیا جبکہ انہوں نے اس طرح نہیں کیا تھا۔ حضرت صہیب رومی نے کہا: ایک آدمی تھا جس نے غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کو بڑی مصیبت میں ڈالا اور انہیں زخمی کیا تو میں نے اسے قتل کر دیا۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں نے فلاں کو قتل کیا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے خوش ہوئے۔ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبد الرحمن بن عوف نے کہا: اے صہیب! کیا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتایا کہ میں نے فلاں کو قتل کیا ہے؟ فلاں آدمی اس کے قتل کو اپنی طرف منسوب کر رہا تھا۔ حضرت صہیب رومی نے بتایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا! ''اے ابو یحییٰ! کیا بات اسی طرح ہے؟'' عرض کی: جی ہاں، اللہ کی قسم! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو جس نے اس قتل کو اپنی طرف منسوب کیا تھا اس کے بارے میں آیت نازل ہوئی۔ ابن زید نے کہا: یہ آیات منافقین کے حق میں نازل ہوئیں (2)۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو کہا کرتے تھے: اگر تم نکلے اور تم نے جنگ کی تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور جنگ کریں گے۔ جب وہ نکلے تو منافق ان سے پیچھے ہٹ گئے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ جس آدمی نے اپنے اوپر کوئی عمل لازم کیا جس میں طاعت ہو تو وہ اس کو پورا کرے صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے آپ نے اہل بصرہ کے قراء کی طرف پیغام بھیجا تو آپ کی خدمت میں تین سو آدمی حاضر ہوئے جنہوں نے قرآن پڑھ رکھا تھا (3)۔ فرمایا: تم اہل بصرہ کے بہترین لوگ ہو اور ان کے قاری ہو تم اس کی تلاوت کرو تم پر کوئی عرصہ نہ گزرے کہ تمہارے دل سخت ہو جائیں جس طرح ان کے دل سخت ہو گئے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں، ہم ایک ایسی سورت پڑھتے تھے جو طوالت اور شدت میں سورۂ براءت جیسی تھی، مجھے وہ بھلا دی گئی مگر مجھے اتنی بات یاد ہے کہ اس میں تھا اگر انسان کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو تیسری وادی کی خواہش کرتا ہے مٹی کے سوا کوئی چیز انسان کے پیٹ کو بھر نہیں سکتی۔ ہم ایک سورت پڑھا کرتے تھے جسے ہم مسبحات سورتوں میں سے ایک کے مشابہ خیال کرتے تو وہ مجھے بھلا دی گئی مگر مجھے اس میں سے یہ یاد ہے: اے مومنو! تم وہ کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ تمہاری گردنوں میں بطور شہادت اسے لکھ دیا جائے گا اور قیامت کے روز تم سے اس بارے میں سوال کیا جائے گا۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 371　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 527

3۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ۔ کراھیۃ حرص علی الدنیا، جلد 1، صفحہ 335

ابن عربی نے کہا: یہ سب باتیں دین میں ثابت ہیں جہاں تک یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ کا تعلق ہے یہ تو دین میں لفظ اور معنی کے اعتبار سے اس سورت میں ثابت ہے(1)۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ تمہاری گردنوں میں شہادت ہوئی اور قیامت کے روز اس بارے میں تم سے پوچھا جائے گا، یہ معنی کے اعتبار سے دین میں ثابت ہے کیونکہ جو کسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرتا ہے وہ شرعاً اس پر لازم ہو جاتی ہے۔ جو چیز لازم ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ا: نذر، نذر کی بھی دو قسمیں ہیں (ا) جو ابتداءً عبادت ہو جس طرح کسی کا یہ قول ہے: لِلّٰہِ عَلَیَّ صلاۃٌ و صومٌ و صدقۃٌ اللہ کے لیے مجھ پر نماز، روزہ اور صدقہ ہے یا اسی طرح کسی عبادت کا ذکر کرے۔ بالاجماع اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ (۲) نذر مباح۔ اس سے مراد ایسی نذر ہے جس کو اس نے پسندیدہ شرط کے ساتھ معلق کیا ہو جس طرح اس کا قول ہے: اگر میرا غائب آیا تو مجھ پر صدقہ لازم ہے۔ یا کسی خوف والی شرط کے ساتھ معلق کرے جیسے: اگر اللہ تعالیٰ میری فلاں تکلیف کے لیے کافی ہو گیا تو مجھ پر صدقہ لازم ہے۔ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ امام شافعی نے اپنے ایک قول میں کہا: اس کو پورا کرنا لازم نہیں آیت کا عموم ہماری دلیل ہے، کیونکہ آیت کا مطلق ہونا ان آدمیوں کی مذمت کو شامل ہے جو کسی طور پر بھی ایسا نہ کرے خواہ وہ مطلق ہو یا شرط کے ساتھ مقید ہو۔ امام شافعی کے اصحاب نے کہا: بے شک وہ نذر جس سے عبادت کا مقصد ہو۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب وہ عبادت کی جنس سے ہو۔ یہ اگرچہ عبادت کی جنس سے تو ہے مگر اس کے ساتھ عبادت کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ اس سے یہ قصد کیا گیا ہے کہ اپنے نفس کو کسی فعل سے روکنے یا کسی فعل کے کرنے کا قصد کیا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں: تمام شرعی عبادات حقیقت میں مشقتیں اور مشکل امور ہیں، اگرچہ یہ عبادات ہیں۔ یہ کسی نفع کے حصول یا تکالیف کو دور کرنے کے لیے کسی مشقت کے ساتھ قربت کو لازم کرنا ہے۔ تو یہ امور مکلف بنانے سے خارج نہ ہوں گے۔ ابن عربی نے کہا: اگرچہ جو بات کی گئی ہے وہ وعدہ ہے تب بھی اس سے خالی نہیں کہ یہ کسی سبب پر منحصر ہو جس طرح کوئی کہتا ہے: إنْ تزوجت أعنتك بدينار، اگر میں نے شادی کی تو ایک دینار کے ساتھ تیری مدد کروں گا یا اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں تجھے یہ عطا کروں گا۔ یہ لازم ہے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔ اگر صرف وعدہ ہو تو ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اپنے مطلق ہونے کی وجہ سے لازم ہو گیا۔ انہوں نے آیت کے سبب سے استدلال کیا ہے۔ کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: اگر ہم ایسا عمل جانتے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے افضل ہے یا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب ہے تو ہم ضرور اس پر عمل کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ یہ ایسی حدیث ہے جس میں کوئی کجی نہیں۔ مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جب اس آیت کو سنا تو کہا: میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے آپ کو روکے رکھوں گا یہاں تک کہ شہید کیا جاؤں۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وعدہ عذر کے بغیر ہر صورت میں پورا کرنا لازم ہے۔

میں کہتا ہوں: امام مالک نے کہا جہاں تک وعدہ کا تعلق ہے جس طرح ایک آدمی کسی سے سوال کرتا ہے کہ وہ اسے کوئی چیز ہبہ کرے تو وہ آدمی کہتا ہے: ہاں ٹھیک ہے۔ پھر اس کے لیے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایسا نہ کرے تو میں اسے نہیں دیکھتا کہ یہ اس پر

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1800-1799

لازم ہوگا۔ ابن قاسم نے کہا: جب اس نے قرض خواہوں سے وعدہ کیا اور کہا: میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے ہبہ کر دیا جو وہ تمہیں دے دے گا۔ یہ اس پر لازم ہو جائے گا، مگر اس کا یہ کہنا: ہاں میں ایسا کروں گا۔ پھر اس کے لیے ظاہر ہوا (کہ وہ اسے نہ دے) تو میں اس پر کوئی چیز لازم نہیں دیکھتا۔

میں کہتا ہوں: اس پر اس چیز کو لازم نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک مکارم اخلاق اور حسن مروت کا تعلق ہے تو اس حد تک تو ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کی تعریف کی ہے جس نے اپنے وعدے کو سچ کر دکھایا اور اپنی نذر کو پورا کیا فرمایا: وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا (البقرہ: 177) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ٘ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (مریم: 54) اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام نخعی نے کہا: تین آیات ایسی ہیں جنہوں نے مجھے منع کر رکھا ہے کہ میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کروں اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (البقرہ: 44) وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ (ہود: 88) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ (الصف) ابو نعیم حافظ نے مالک بن دینار سے وہ ثمامہ سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایک قوم کے پاس آیا جن کے منہ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے جب بھی انہیں کاٹا جاتا تو وہ پھر بڑھ جاتے۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبریل امین نے عرض کی: یہ تیری امت کے خطباء ہیں جو کہتے ہیں، عمل نہیں کرتے، وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے'' (1)۔ سلف صالحین کے بارے میں مروی ہے: ان سے عرض کی گئی: ہمیں کچھ بیان کیجئے تو وہ خاموش رہے پھر انہیں کہا گیا: ہمیں کچھ بیان کیجئے۔ فرمایا: کیا تمہاری رائے یہ ہے کہ میں ایسی بات کروں جو میں خود نہ کروں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا جلدی مستحق ہو جاؤں۔

مسئلہ نمبر 4۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ کلمہ استفہام انکار اور توبیخ کے لیے ہے کہ انسان بھلائی کا ذکر تو کرے مگر خود اس پر عمل نہ کرے، اگر یہ ماضی سے متعلق ہو تو یہ جھوٹ ہوگا اور مستقبل سے متعلق ہو تو یہ وعدہ خلافی ہوگی۔ دونوں چیزیں مذموم ہیں۔ سفیان بن عیینہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی یہ تاویل بیان کی ہے جو معاملہ تمہارے قبضہ میں نہیں تم وہ کیوں کہتے ہو تم نہیں جانتے کہ کیا تم اس کو کر سکو گے یا نہیں کر سکو گے۔ اس صورت میں کلام ظاہر معنی پر محمول ہوگی کہ ایسے قول پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ امام شافعی کے ایک قول کے مطابق غضب کی حالت میں بھی وفا کرنا ضروری ہے۔ ان مابعد سے مل کر مبتدا ہے اور ماقبل اس کی خبر ہے گویا فرمایا: تمہارا ایسی بات کرنا جس پر خود عمل نہ کرو یہ مذموم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو۔ کسائی نے کہا: ان محل رفع میں ہے یونکہ كَبُرَ ایسا فعل ہے جو بئس رجلا اخوك کے قائم مقام ہے اور مَقْتًا تمیز کے طور پر منصوب ہے۔ معنی یہ بنتا ہے۔ کبر قولهم مالا یفعلون

1۔ کنز العمال، جلد 10، صفحہ 195، حدیث 29026

مقتا ان کا ایسی بات کرنا جس پر وہ عمل پیرا نہ ہوں یہ بڑی ناراضگی کا باعث ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حال ہے مقتا اور مقاتہ یہ دونوں مصدر ہیں یوں کہا جاتا ہے: رجل مقیت و ممقوت جب لوگ اسے پسند نہ کریں۔

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

''بے شک اللہ تعالیٰ بہت محبت کرتا ہے ان (مجاہدوں) سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پرا باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا وہ صف بندی کرتے ہیں۔ مفعول یہ مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہے یصفون أنفسهم صفا۔

كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ فراء نے کہا: وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں (1)۔ مبرد نے کہا: یہ رصصت البناء سے مشتق ہے جب تو اسے اس طرح بنا دے کہ وہ ایک ٹکڑے کی طرح ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رصیص سے مشتق ہے اس سے مراد دانتوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑنا ہے۔ تراص سے مراد باہم جڑنا ہے۔ اسی سے تراصوا فی الصف ہے آیت کا معنی ہے۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنی جگہ جم جاتا ہے جس طرح دیوار ایک جگہ ثابت رہتی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مومنین کو تعلیم ہے کہ جب دشمنوں سے جنگ کا مرحلہ ہو تو وہ کیسے رہیں (2)۔

مسئلہ نمبر 2۔ بعض اہل تاویل نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ پیدل کا جہاد شاہسوار کے جہاد سے افضل ہے کیونکہ شاہسوار اس طریقہ سے صف بندی نہیں کرتے۔ مہدوی نے کہا: یہ درست نہیں کیونکہ شہسوار کے اجر اور غنیمت میں فضیلت کا ذکر ہے۔ شاہسوار آیت کے معنی سے خارج نہیں کیونکہ اس کا معنی ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ صف سے نکلنا جائز نہیں مگر ایسی ضرورت کی بناء پر جو انسان کو لاحق ہوتی ہے یا ایسے پیغام کی وجہ سے جو امام بھیجتا ہے یا ایسی منفعت میں جو خاص مقام میں ظاہر ہوتی ہے یا فرصت جس کا موقع ملتا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

دعوت مبارزت کے لیے صف سے نکلنے میں دو قول ہیں۔ (۱) اس بارے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مقصد دشمن کو خوفزدہ کرنا ہے، شہادت کو طلب کرنا ہے اور قتال پر برانگیختہ کرنا ہے۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں: کوئی آدمی دعوت مبارزت کے لیے نہ نکلے کیونکہ اس میں ریاکاری اور اس امر کی طرف نکلنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ مبارزت اس وقت ہے جب کافر اسے طلب کرے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں غزوہ بدر اور غزوہ خیبر میں ہوا۔ سلف صالحین کا یہی انداز رہا۔ سورۂ بقرہ آیت 195 میں وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ کے ضمن میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ۭ
فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 528　2۔ ایضاً

"اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں، پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا، اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ جب جہاد کے امر کا ذکر کیا تو یہ بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توحید کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کا حکم دیا اور جن لوگوں نے ان کی مخالفت کی ان پر عقاب نازل ہوا، اے محمد! ﷺ اپنی قوم کے سامنے اس قصہ کا ذکر کیجئے۔

یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ یہ اس وقت ہوا جب آپ کی قوم نے آپ پر ادرہ (ایک بیماری جس کی وجہ سے خصیتین پھول جاتے ہیں) کی تہمت لگائی جس طرح سورۂ احزاب میں گزرا ہے۔ اذی سے مراد وہ ہے جس کا ذکر قارون کے واقعہ میں گزر چکا ہے۔ قارون نے ایک عورت کے ساتھ سازش کی تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فسق و فجور کا دعویٰ کرتی۔ اور اذی سے مراد وہ قول بھی ہے جس کا ذکر اس ارشاد باری میں ہے۔ **اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ** (الاعراف:138) **فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ** (المائدہ:24) اور ان کا یہ قول کہ تو نے ہارون کو قتل کیا۔ اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ رسول کا احترام کیا جاتا ہے اور ان کی تعظیم بجالائی جاتی ہے۔ **تَعْلَمُوْنَ** پر قد تاکید کے لیے ہے گویا فرمایا: تم یقینی علم جانتے ہو تمہارے لیے اس میں کوئی شبہ نہیں۔

فَلَمَّا زَاغُوْۤا جب وہ حق سے مائل ہوئے **اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ** انہیں ہدایت سے دور کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ طاعت سے پھرے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت سے پھیر دیا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان سے پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ثواب سے پھیر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے احترام اور رب کی طاعت کو ترک کر دیا جن کا انہیں حکم دیا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں گمراہی کو پیدا کر دیا جو ان کے فعلوں پر ان کے لیے عقوبت ہے۔

وَ اِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝6

"اور یاد کرو جب فرمایا عیسیٰ فرزند مریم نے: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام (نامی) احمد ہوگا، پس جب وہ (احمد) آیا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو انہوں نے کہا: یہ تو کھلا جادو ہے"۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 528

وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ان کے لیے یہ قصہ بھی بیان کرو فرمایا: اے بنی اسرائیل! اے میری قوم نہیں فرمایا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان میں نسب نہیں تھا کہ وہ ان کی قوم ہوتے۔ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ میں انجیل دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں، تورات میں میری صفت موجود ہے، میں تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لایا جو تورات کے خلاف ہو کہ تم مجھ سے نفرت کرتے۔ اور میں رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں۔ مُبَشِّرًا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اس میں عامل ارسال کا معنی ہے۔ اِلَيْكُمْ رسول کا صلہ ہے۔

يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے من بعدی میں یاء کو فتحہ دیا ہے (1)۔ یہ سلمی، زر بن حبیش اور ابو بکر کی عاصم سے منقول قراءت ہے؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ کیونکہ یہ اسم ہے، جس طرح بعدك میں کاف اور قمت میں تاء مفتوح ہے۔ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ میں یاء کو لفظوں سے حذف کر دیا ہے۔ احمد یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ یہ ایسا اسم علم ہے جو صفت سے منقول ہے فعل سے منقول نہیں۔ اس صفت سے مراد اسم تفضیل ہے۔ احمد کا معنی حمد کرنے والوں میں سے اپنے رب کی سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔ تمام انبیاء اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہیں اور ہمارے نبی ان میں سے سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں۔ جہاں تک لفظ محمد کا تعلق ہے۔ یہ بھی صفت سے منقول ہے۔ یہ محمد کے معنی میں ہے لیکن اس میں مبالغہ اور تکرار کا معنی پایا جاتا ہے۔ پس محمد اس کو کہیں گے جس کی یکے بعد دیگرے تعریف کی جاتی ہو جس طرح مکرم ہے جس کی بار بار تکریم کی جاتی ہو اسی طرح ممدح وغیرہ ہے۔ اسم محمد اپنے معنی کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس سے قبل رکھا کہ اپنا یہ نام رکھتے یہ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں محمود ہیں کیونکہ آپ کے علم و حکمت کی طرف رہنمائی کی گئی اور اس سے نفع اٹھایا گیا، وہ آخرت میں شفاعت کی وجہ سے محمود ہیں جس طرح لفظ تقاضا کرتا ہے اس طرح حمد کے معنی میں تکرار ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم محمد نہ ہوتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احمد ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی حمد کی، اس کی عظمت شان اور شرف کو بیان کیا، اسی وجہ سے احمد کا اسم اس اسم پر مقدم ہوا جو محمد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کا ذکر کیا فرمایا: اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا ذکر کیا جب ان کے رب نے انہیں ارشاد فرمایا: وہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ فرمایا: اے اللہ! مجھے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بنا دے۔ انہوں نے محمد کے ذکر سے قبل احمد کا ذکر کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی جو حمد کی ہے وہ اس سے قبل واقع ہوا جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پائی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالفعل محمد ہو گئے۔ شفاعت میں بھی صورت حال اسی طرح ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی ایسے الفاظ کے ساتھ حمد کریں گے جو اللہ تعالیٰ ان پر القا کرے گا، آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر حمد کرنے والے ہوں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں گے تو شفاعت کی وجہ سے

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 47

آپ ﷺ کی تعریف کی جائے گی۔

یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تورات میں میرا نام احید ہے کیونکہ میں اپنی امت کو آگ سے دور کروں گا (1)۔ زبور میں میرا نام ماحی ہے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے بت پرستی کو مٹایا ہے۔ انجیل میں میرا نام احمد ہے اور قرآن میں میرا نام محمد ہے، کیونکہ میں اہل سماء اور اہل زمین میں محمود ہوں''۔ صحیح میں ہے: ''میرے پانچ نام ہیں میں محمد، احمد، ماحی: اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹاتا ہے) حاشر (میرے قدموں پر لوگوں کو اٹھائے گا) اور عاقب ہوں'' (2)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں بینات سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت محمد ﷺ ہیں **قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ** کسائی اور حمزہ نے اسے ساحر پڑھا ہے۔ یہ رجل کی صفت ہے۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے: یہ حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے باقی قراء نے سحر پڑھی ہے۔ یہ اس کی صفت ہے جو رسول اللہ ﷺ لائے۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

''اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھتا ہے حالانکہ اسے بلایا جارہا ہے اسلام کی طرف، اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا''۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ یعنی اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ **مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ** اس کے بارے میں گفتگو پہلے کئی بار گزر چکی ہے۔ **وَ هُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ** اس آدمی پر تعجب کا اظہار کیا جارہا ہے جس نے معجزات کے ظاہر ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا۔ طلحہ بن مصرف نے وھو یَدَّعی قراءت کی ہے، یعنی وہ منسوب ہوتا ہے۔ یَدَّعی اور یَنْتَسِبُ دونوں برابر ہیں۔ **وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝** اللہ تعالیٰ کے فیصلہ میں ہے کہ اس پر گمراہی کی مہر لگائی جائے گی۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

''یہ (نادان) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے، لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ سخت ناپسند کریں اس کو کافر''۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ اطفاء کا معنی بجھانا ہے (3)۔ دونوں لفظ آگ کے بارے میں استعمال ہوتے ہیں۔ اطفاء اور اخماد ضیاء اور ظہور میں بھی استعمال ہوتے ہیں جو آگ کے قائم مقام ہیں۔ اطفاء اور اخماد میں ایک وجہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 529 2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ صف، جلد 2، صفحہ 727

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 530

سے فرق ہے۔ اطفاء قلیل اور کثیر دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اخماد کثیر میں استعمال ہوتا ہے، قلیل میں استعمال نہیں ہوتا۔ یہ جملہ تو کہا جاتا ہے: اطفات السراج یہ نہیں کہا جاتا: اخمدت السراج۔

نور اللہ کے بارے میں یہاں پانچ قول ہیں۔ (۱) مراد قرآن ہے، وہ قول کے ذریعے اس کو باطل کرنے اور جھٹلانے کا ارادہ کرتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس اور ابن زید کا قول ہے۔ (۲) مراد اسلام ہے۔ وہ کلام کے ذریعے اس کو رد کرنا چاہتے ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے۔ (۳) مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ وہ بناوٹی جھوٹی خبروں کے ساتھ آپ کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ (۴) اللہ تعالیٰ کے دلائل ہیں وہ اپنے انکار اور تکذیب کے ساتھ دلائل کا ابطال چاہتے ہیں؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ (۵) یہ ضرب المثل ہے۔ جس نے اپنے منہ سے سورج کے نور کو بجھانا چاہا تو وہ اسے محال اور ممتنع پائے گا اسی طرح جس نے حق کو باطل کرنے کا ارادہ کیا؛ اسے ابن عیسیٰ نے بیان کیا ہے۔ اس آیت کا شان نزول ہے جو عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس روز تک وحی نہیں آئی تو کعب بن اشرف نے کہا: اے یہودیو! خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے اس نور کو بجھا دیا جو ان پر نازل ہوتا تھا ان کا معاملہ مکمل ہونے والا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اور اس کے بعد وحی کا اتصال رہا؛ ماوردی نے ان تمام چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ آفاق میں ظاہر کرنے کے ساتھ۔ ابن کثیر، حمزہ، کسائی اور بعض نے عاصم سے وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ اضافت کے ساتھ قراءت کی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران: 185) اور اس جیسی دوسری آیات ہیں جس طرح اس کی وضاحت سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے باقی قراء نے مُتِمٌّ نُوْرَهٗ پڑھا ہے کیونکہ اسم فاعل کا صیغہ مستقبل کے معنی میں ہے تو یہ عمل کرے گا۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ تمام قسم کے کافر اسے ناپسند کریں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

”وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ وہ غالب کر دے اسے سب دینوں پر خواہ سخت ناپسند کریں اس کو مشرک“۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وہی ذات پاک ہے جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق اور ہدایت کے ساتھ مبعوث کیا۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ یعنی دلائل کے ساتھ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ ظہور سے مراد جنگ میں طاقت کے ذریعے غلبہ ہے۔ ظہور سے مراد یہ نہیں کہ کوئی دوسرا دین باقی ہی نہ رہے بلکہ مراد یہ ہے کہ مسلمان غالب اور بلند ہوں گے اور آخر زمانہ میں اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہیں رہے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظاہر ہونے کے ساتھ دین غالب ہوگا اس وقت کوئی کافر باقی نہیں رہے گا مگر سب مسلمان ہو جائیں گے۔ مجاہد نے کہا: یہ اس وقت ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو زمین میں کوئی دین باقی نہیں رہے گا مگر

صرف دین اسلام ہوگا (1)۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت ابن مریم علیہ السلام عادل ثالث کی حیثیت سے اتریں گے۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کر دیں گے، نوجوان اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائیگا ان پر کوشش نہیں کی جائیگی دشمنی، باہم بغض اور باہم حسد ختم ہو جائے گا، مال کی طرف لوگوں کو بلایا جائیگا تو اسے کوئی بھی قبول نہیں کرے گا'' (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ادیان پر مطلع فرمائے گا یہاں تک کہ آپ ان کے عالم اور ان کی بطلان کی وجوہ سے آگاہ ہو جائیں گے اور انہوں نے جو تحریف اور تبدیلی کی ہے اس پر مطلع ہو جائیں گے۔

عَلَى الدِّيْنِ مراد تمام دین ہیں کیونکہ دین مصدر ہے اس کے ساتھ جمع کو بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

''اے ایمان والو! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ایسی تجارت پر جو بچا لے تمہیں دردناک عذاب سے (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے، یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم حقیقت کو جانتے ہو، اللہ تعالیٰ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور داخل کرے گا تمہیں باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں اور پاکیزہ مکانوں میں جو سدا بہار باغوں میں ہیں، یہی بڑی کامیابی ہے اور ایک اور چیز جو تمہیں بڑی پسند ہے (وہ بھی ملے گی) یعنی اللہ کی جانب سے نصرت اور فتح جو بالکل قریب ہے، اور (اے حبیب) مومنوں کو (یہ) بشارت سنا دیجئے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1 ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ مقاتل نے کہا: یہ آیت حضرت عثمان بن مظعون کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: کاش! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیتے تو میں خولہ کو طلاق دیتا، رہبانیت اختیار کرتا، اپنے آپ کو خصی کر لیتا، گوشت کو اپنے اوپر حرام کر لیتا، رات کو کبھی بھی نہ سوتا اور دن کو کبھی بھی افطار نہ کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری سنت میں سے نکاح بھی ہے، اسلام میں کوئی

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 526　2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، نزول عیسیٰ بن مریم، جلد 1، صفحہ 87

رہبانیت نہیں میری امت کی رہبانیت اللہ کی راہ میں جہاد ہے، میری امت کا خصی ہونا روزہ رکھنا ہے، اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم پر حلال کی ہیں انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ میری سنت یہ بھی ہے کہ میں سوتا ہوں، میں قیام کرتا ہوں، میں روزہ افطار کرتا ہوں اور روزہ رکھتا بھی ہوں۔ جو میری سنت سے اعراض کرے تو وہ مجھ سے نہیں'' (1)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں پسند کرتا ہوں کہ میں یہ جانوں کہ کونسی تجارت اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب ہے؟ تو میں وہ تجارت کروں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ اَدُلُّكُمْ کا معنی ہے میں عنقریب تمہیں بتاؤں گا۔ تجارت سے مراد جہاد ہے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ (التوبۃ: 111) یہ خطاب تمام مومنوں کو ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خطاب اہل کتاب کو ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ تمہیں دردناک عذاب سے چھٹکارہ دلائے۔ اس کے بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔ عام قراءت تُنْجِيْكُمْ ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن عامر اور ابو حیوہ نے تُنَجِّيكم مشدد پڑھا ہے یہ تنجیہ سے مشتق ہے پھر تجارت کی وضاحت کی۔

مسئلہ نمبر 3۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ اموال کا پہلے ذکر کیا کیونکہ خرچ کرنے کا سلسلہ اس سے شروع ہوتا ہے۔ ذٰلِكُمْ، خَيْرٌ لَّكُمْ، تمہارا یہ فعل تمہارے اموال اور تمہاری ذاتوں سے بہتر ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، مبرد اور زجاج کے نزدیک تومنون، امنوا کے معنی میں ہے اسی وجہ سے جواب امر کے طور پر يَغْفِرْ لَكُمْ مجزوم ہے۔ عبداللہ کی قراءت میں امنوا باللہ ہے۔ فراء نے کہا يَغْفِرْ لَكُمْ استفہام کا جواب ہے۔ یہ اس صورت میں صحیح ہوگا جب اسے معنی پر محمول کریں یہ صورت اس وقت ہوگی جب تومنون باللہ و تجاھدون، هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ کا عطف بیان ہو گویا تجارت کا پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا ہے؟ تو ایمان و جہاد اس کا بیان ہے۔ گویا فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور جہاد کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا۔ زمخشری نے کہا: دلالت کا متعلق تجارت ہے (2) اور تجارت کی تفسیر ایمان و جہاد سے بیان کی گئی ہے گویا فرمایا: کیا تم ایمان و جہاد کے ساتھ تجارت کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا۔ مہدوی نے کہا: اگر تو اس کلام کو مقدر نہ کرے تو مسئلہ صحیح نہ ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی: ان دللتم یغفر لکم، غفران کی صفت قبول و ایمان سے لگائی گئی ہے، دلالت کے ساتھ اس کی صفت نہیں لگائی گئی۔ زجاج نے کہا: اس طرح نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں ایسی چیز پر راہنمائی کرے جو انہیں بخش دے بے شک اللہ تعالیٰ انہیں بخشتا جب وہ ایمان لائیں اور جہاد کریں۔ زید بن علی نے تومنوا اور وتجاھدوا قراءت کی ہے یعنی لام امر مضمر ہے؛ جس طرح شاعر کا قول ہے:

مُحَمَّدُ تَفْدِ نَفْسَكَ كُلُّ نَفْسٍ   إِذَا مَا خِفْتَ مِنْ شَيْءٍ تَبَالًا (3)

اے محمد! یہ نفس تیرے نفس پر فدا ہو جائے جب تو کسی چیز سے ہلاکت کا خوف کرے۔ مراد لتفد ہے۔ بعض نے ادغام کیا اور کہا: یغفر لکم بہترین ادغام کو ترک کرنا ہے کیونکہ راء حرف متکرر ہے، قوی ہے اس کا ادغام لام میں اچھا نہیں کیونکہ

1۔ سنن دارمی، کتاب النکاح، جلد 2، صفحہ 58، حدیث 2175 (روایت بالمعنی) 2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 527 3۔ ایضاً

اقویٰ کو اضعف میں مدغم نہیں کیا جاتا۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً ابو الحسین آجری نے حضرت حسن بصری سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً کی تفسیر کے بارے میں پوچھا دونوں نے کہا: باخبر آدمی کے پاس تو پہنچا ہے۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا فرمایا: ''جنت میں یہ موتی سے بنا محل ہے جس میں سرخ یاقوت کی ستر حویلیاں ہونگی اور ہر حویلی میں ستر سبز زبرجد کے کمرے ہونگے، ہر کمرے میں ستر پلنگ ہونگے، ہر پلنگ پر مختلف قسم کے ستر بستر ہونگے اور ہر بستر پر ستر حوریں ہونگی، ہر کمرے میں ستر دستر خوان ہونگے، ہر دستر خوان پر ستر قسم کے کھانے ہونگے، ہر کمرے میں ستر خادم اور خادمائیں ہونگی اللہ تعالیٰ ہر مومن کو ایک دن میں اتنی قوت عطا کرے گا جس کے باعث تمام حوروں کے پاس جا سکے گا'' (1)۔

فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ عدن کا معنی ٹھہرنا ہے۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ یہ دائمی اور بڑی سعادت ہے۔ کامیابی کی اصل یہ ہے کہ انسان دائمی چیز حاصل کرے۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا فراء اور اخفش نے کہا: اخریٰ کا عطف تجارۃ پر ہے۔ یہ محل جر میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا محل رفع ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی لکم خصلۃٌ اُخریٰ و تجارۃٌ اُخریٰ تحبونھا۔ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ تقدیر کلام یہ ہے۔ ھو نصرٌ من اللہ۔ اس تعبیر کی صورت میں نصر، اخریٰ کی تفسیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نصر، اخریٰ سے بدل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی۔ ولکم نصرٌ من اللہ و فتح قریب۔ یعنی دنیا میں غنیمت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فتح مکہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: مراد ایران اور روم کی فتح ہے (2)۔

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مومنوں کو بشارت دو کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ۗ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝

''اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جس طرح کہا تھا عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے: کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف بلانے میں؟ حواریوں نے جواب دیا: ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں، پس ایمان لے آیا ایک گروہ بنو اسرائیل سے اور کفر کیا دوسرے گروہ نے پھر ہم نے مدد کی جو ایمان لائے دشمنوں کے مقابلے میں بالآخر وہی غالب رہے''۔

جہاد کے امر کو موکد کیا یعنی اپنے نبی کے حواری بنو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے مخالفین پر غلبہ دے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو ان کے مخالفین پر غلبہ دیا۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور نافع نے انصارًا کو تنوین کے ساتھ پڑھا

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 153
2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 46

ہے۔ انہوں نے کہا: کیونکہ اس کا معنی ہے تم ثابت قدم رہو اور تلوار کے ساتھ اس کے دشمنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کے مددگار بنو۔ باقی قراء جو بصرہ، کوفہ اور شام سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے اسے اَنْصَارَ اللّٰہِ تنوین کے بغیر پڑھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسم سے لام اضافت حذف کر دیا ہے۔ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ یہاں تنوین نہیں۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار بن جاؤ۔ پھر کہا: کلام میں اضمار ہے یعنی اے محمد! انہیں کہو اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب خطاب کا آغاز ہے یعنی تم حمایتی بن جاؤ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے کیا۔ بحمد اللہ وہ انصار تھے اور وہ حواری تھے اور حواری رسولوں کے خاص لوگ ہوتے ہیں۔ معمر نے کہا: بحمد اللہ انہوں نے مدد کی تو ان کی تعداد ستر تھی انہیں لوگوں نے ہی عقبہ کی رات سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قریش میں سے تھے، قتادہ نے ان کا نام بھی لیا یعنی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن مالک، حضرت ابو عبیدہ بن جراح ان کا نام عامر تھا، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت حمزہ بن مطلب، حضرت سعید کا ذکر نہیں کیا اور حضرت جعفر بن ابی طالب کا ذکر کیا رضی اللہ عنہم۔

كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منتخب افراد تھے انکی تعداد بارہ تھی۔ ان کے اسماء آل عمران میں گزر چکے ہیں۔ یہ وہ پہلے افراد ہیں جو بنی اسرائیل میں سے آپ پر ایمان لائے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا: جب تو بستی میں داخل ہو تو اس نہر پر جا جس پر دھوبی کپڑے دھو رہے ہیں، ان سے مدد طلب کر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کون میرا مددگار ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم آپ کی مدد کرتے ہیں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اور آپ کی مدد کی۔ یہاں الی، مع کے معنی میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: الذود الی الذود ابل یہاں بھی الی مع کے معنی میں ہے، ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے کون میری ان معاملات میں مدد کرے گا جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کریں گے؟ سورۃ آل عمران میں یہ بات گزر چکی ہے۔

فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد دو طائفوں نے باہم اختلاف کیا جس طرح آل عمران میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ۔ عدوھم، عدو سے مراد وہ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا۔ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ۝ وہ غالب آ گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد اس طرح کی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو کفار کے دین پر غلبہ دیا۔ مجاہد نے کہا: جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانہ میں ہی ان کی کفار کے خلاف مدد کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آج دونوں گمراہ فرقوں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی۔ جس نے کہا: وہ اللہ تھا تو وہ خود اوپر چلا گیا۔ جس نے کہا: وہ اللہ کا بیٹا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اوپر اٹھا لیا۔ نعوذ باللہ کیونکہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کسی سے جہاد نہیں کیا اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ میں بھی کوئی جہاد نہ ہوا۔ زید بن علی اور قتادہ نے کہا: فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ۝

کا معنی ہے وہ حجت اور برہان کے ساتھ غالب آ گئے کیونکہ جو روایت کی گئی ہے اس میں ہے انہوں نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سویا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نہیں سوتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانا کھایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نہیں کھاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصدوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن اسحاق نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن حواریوں اور پیروکاروں کو بھیجا ان میں فطرس اور بولس کو رومیہ کی جانب، اندرابیس اور متی کو اس علاقہ کی جانب جہاں کے لوگ انسانوں کو کھا جاتے تھے توماس کو بابل کی جانب جو مشرق کی جانب تھا۔ فیلبس کو قرطاجنہ کی جانب جو افریقہ ہے۔ یحنس کو دقسوس کی جانب جو اہل کہف کی بستی ہے۔ یعقوبیس کو اوریشلم کی جانب جو بیت المقدس ہے۔ ابن تلما کو عرب کی جانب جو حجاز کا علاقہ ہے۔ سیمن کو بربر کے علاقہ کی جانب۔ یہودا اور بردس کو اسکندریہ اور اس کے اردگرد کے علاقہ کی جانب۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد دلیل کے ساتھ کی۔ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ۝ وہ غالب آ گئے۔ یہ تیرے اسی قول سے ماخوذ ہے: ظهرت على الحائط میں دیوار پر چڑھا۔

اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا اور ٹھکانہ ہے۔